© rasailojaraid.com

حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی

ایک اسلام

زیرِ نظر مضمون، عقیدۂ انکارِ حدیث پر مبنی کتاب "دو اسلام" کا جواب ہے۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر غلام جیلانی برق ہیں۔ جو اب اپنے سابقہ عقیدہ (انکارِ حدیث) سے تائب ہو چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اس کتاب کے مطالعہ سے بعض ناپختہ ذہنوں کے بھٹک جانے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے اس کا جواب "ایک اسلام" کی صورت میں دوامِ حدیث کے مستقل عنوان کے تحت ہدیۂ قارئین ہے۔ "ایک اسلام" کے مصنف حضرت حافظ صاحب مدظلہ، مخالفین کو مخاطب کرنے میں بھی اگرچہ کافی محتاط رہتے ہیں تاہم اختلافِ عقیدہ اور حمیتِ دینی کی بنا پر اکثر مقامات پر لہجہ اور الفاظ کا کھٹکنا ایک یقینی امر ہے ——— ہمیں قارئین سے یہی عرض کرنا ہے کہ "ایک اسلام" کا مطالعہ فرماتے وقت یہ امر ذہن میں ضرور رکھیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اب ہمارے دینی بھائی ہیں اور وہ، وہ نہیں رہے، جو پہلے تھے ——— ساجد

دو اسلام کا دیباچہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی تربیت شروع سے ایسے ماحول میں ہوئی ہے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ حقیقی اسلام سے بالکل ناآشنا رہے اور مجموعہ رسوم کو اسلام سمجھ کر اس کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرائے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"میں مسلسل چودہ برس تک حصولِ علم کے لئے مختلف علماء و صوفیا کے ہاں رہا درسِ نظامی کی تکمیل کی، سینکڑوں واعظین کے وعظ سنے، بیسیوں دینی کتابیں پڑھیں اور بالآخر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلامی تعلیمات کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ فرائضِ خمسہ یعنی توحید کا اقرار اور صوم و صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج کی بجا آوری۔

۲۔ اذان کے بعد درود شریف پڑھنا۔

۳۔ مختلف رسومات مثلاً جمعرات، ختم، چہلم، گیارھویں وغیرہ باقاعدگی سے ادا کرنا۔

۴۔ قرآن کی عبارت پڑھنا۔

۵۔ اللہ کے ذکر کو سب سے بڑا عمل سمجھنا ۶۔ اچھل اچھل کر ہُو حق کا ورد کرنا۔

۷۔ قرآن اور درود کے ختم کرانا۔ ۸۔ نجات کے لئے کسی مرشد کی بیعت کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹ - مُردوں سے مرادیں مانگنا۔

۱۰ - مزاروں پر سجدے کرنا۔

۱۱ - تعویذوں اور گنڈوں کو مشکل کشا سمجھنا۔

۱۲ - غلیظ لباس کو پیغمبری لباس سمجھنا۔

۱۳ - سڑکوں پر اور بازاروں میں سب کے سامنے ڈھیلا کرنا۔

۱۴ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نیز حاضر و ناظر سمجھنا۔

۱۵ - کسی بیماری یا مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ملا جی کی ضیافت کرنا۔

۱۶ - گناہ بخشوانے کے لئے قوالی سننا۔

۱۷ - غیر مسلم کو ناپاک و نجس سمجھنا۔

۱۸ - امام ابو حنیفہ کی فقہ پر ایمان لانا۔

۱۹ - صحاح ستہ کو وحی سمجھنا۔

۲۰ - تمام علومِ جدیدہ مثلاً طبیعات، ریاضیات، اقتصادیات اور تعمیرات وغیرہ کو کفر خیال کرنا۔

۲۱ - غور و فکر اور اجتہاد و استنباط کو گناہ قرار دینا۔

۲۲ - صرف کلمہ پڑھ کر بہشت میں پہنچ جانا۔

۲۳ - ہر مشکل کا علاج عمل اور محنت سے نہیں بلکہ دعاؤں سے کرنا۔ مثلاً سوتے وقت یہ دعا پڑھنا:

"اللھم باسمك اموت واحیی" ـــــــ خواب میں خواجہ خضر کی زیارت ہو گی ـــــــ اور جاگو تو یہ دعا پڑھو:

"بسم اللہ الذی احیانی بعد ما اماتنی" ـــــــ تاکہ حوریں تمہارا منہ چاٹیں الخ۔

افسوس! مصنف نے عمرِ عزیز کے چودہ برس فضول ضائع کر دیئے۔ ہمیں واقعی دکھ ہو رہا ہے کہ انہوں نے درسِ نظامی کی تکمیل کر کے اسلام کو اگر یہی کچھ سمجھا ہے جو انہوں نے بیان فرمایا ہے تو اس سے یہی بہتر تھا کہ وہ ان کتابوں کو پڑھنے کی بجائے کوئی اور چھوٹا موٹا کام کر لیتے ـــــــ ہاں تو جناب! درسِ نظامی کی کتابوں میں آپ نے کہیں بھی جہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذکر نہیں پڑھا؟ جبکہ درسِ نظامی کا ایک ادنیٰ طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ فقہ و حدیث میں جہاد کے احکام و مسائل کثرت سے موجود ہیں۔ اور یہ گناہ بخشوانے کے لئے قوالیاں سننا، مزاروں پر سجدے کرنا، اچھل اچھل کر ہُوحق کرنا، مُردوں سے مرادیں مانگنا وغیرہ وغیرہ درسِ نظامی کی کونسی کتاب میں آپ نے پڑھا ہے؟ ——— حدیث تو ان تمام لغویات کی تردید سے پُر ہے اور آپ یہی باتیں حدیث سے منسوب فرما رہے ہیں؟

——— اور اس چودہ سالہ طویل مدت میں کیا آپ کی نظر سے ایک رسالہ بھی ایسا نہیں گذرا جس میں امورِ متذکرہ کے خلاف مدلل طور پر کچھ لکھا گیا ہے؟

مصنف نے یہاں تو صرف اسی قدر لکھا ہے کہ درس نظامی کی تکمیل کی لیکن آگے چل کر پانچویں باب میں لکھتے ہیں:

"میرا کوئی شیخ الحدیث نہیں، اگر میں کسی شیخ الحدیث کے اڑنگے پر چڑھ جاتا، تو وہ مجھے اقلیم حقائق سے بہت دور اوہام و ظنون کی دنیا میں لے جاکر وہ پٹخنی دیتا کہ میرا سر اور نظریہ دو آب کی طرح چکرا جاتے۔" (صفحہ ۱۲۰)

اور مصنف کے استدلال کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مصنف نے قرآن کی آیات اور احادیث کو لکھتے وقت اچھی طرح ان کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ یا ممکن ہے یہ ان کی درسِ نظامی میں چودہ سالہ محنت کا نتیجہ ہو۔ چنانچہ پانچویں باب کے صفحہ ۱۱۴ پر قرآن مجید کی ایک آیت اس طرح لکھی ہے:

"انما اوحی الی ھذا القرآن لانذکم بہ"

اور بیسویں باب صفحہ ۳۴۶ میں پھر اس آیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں کسی مقام پر ان الفاظ کے ساتھ یہ جملہ نہیں آیا۔ اسی طرح احادیث لکھتے وقت بھی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ دسویں باب میں لکھتے ہیں:

"فقہ کا مسئلہ تو یہی ہے حائضہ روزہ رکھے اور نماز نہ پڑھے" "ان الحائض تقضی الصیام ولا تقضی الصلوٰۃ" ——— کہ حائضہ روزے رکھے اور نماز نہ پڑھے ——— لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کی ایک زوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ معتکف ہوگئیں۔ اس دوران میں انہیں حیض شروع ہو گیا اور حالت یہ ہوگئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ جب وہ نماز پڑھتی تھیں تو ہم ان کے نیچے برتن رکھ دیتے تھے تاکہ خون مسجد میں نہ گرنے پائے۔" (بخاری ج ۱، ص ۲۲۹، ۲۴۲)

اس عبارت میں مصنف نے تین جگہ غلطی کی ہے۔

۱۔ فقہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حائضہ روزہ رکھے حالانکہ ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حائضہ کو نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے، نہ روزہ رکھنے کی۔ بلکہ روزہ کی قضا کا اس میں حکم ہے نہ کہ نماز کی قضا کا۔

۲۔ عربی عبارت "ان الحائض تقضی الصلوٰۃ ولا تقضی الصلوٰۃ" کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "حائضہ روزے کی قضا دے اور نماز کی قضا نہ دے" ——— آپ کہتے ہیں کہ "روزہ رکھے اور نماز نہ پڑھے"۔

۳۔ حدیث میں مستحاضہ کا ذکر ہے نہ کہ حائضہ کا، مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو ایام حیض کے علاوہ خون آتا ہو یعنی بیماری کی وجہ سے خون آتا ہو۔ ایسی عورت پر نماز اور روزہ فرض ہوتا ہے۔ آپ غلطی سے حائضہ سمجھ رہے ہیں۔

اسی صفحہ میں دو حدیثوں میں تناقض ظاہر کرتے لکھتے ہیں کہ حضور فرماتے ہیں "مجھے رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا ہے" (مسلم) لیکن حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور رکوع و سجود میں قرآن کی آیت "سبوح قدوس ربنا ورب الملٰئکۃ والروح" پڑھا کرتے تھے۔"

غور فرمائیے! یہ حضرت حدیث پر اور اصحاب حدیث پر تنقید کرنے چلے ہیں، جن کو یہ بھی علم نہیں کہ یہ جملہ قرآن کی آیت نہیں اور آپ نہ صرف اسے قرآنی آیت سمجھ رہے ہیں بلکہ اس کی بنیاد پر دو حدیثوں میں تناقض ثابت کرنے کی کوشش بھی فرمائی جا رہی ہے۔

تیرھویں باب میں لفظ مغفرت کی تحقیق ہے، چودھویں باب میں مسئلہ شفاعت ... پندرھویں باب میں قرآن سے متصادم احادیث، سولہویں باب میں غلامی اور اسلام، سترھویں باب میں تقدیر، اٹھارھویں باب میں متضاد احادیث، انیسویں باب میں چند دلچسپ احادیث اور بیسواں باب "صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا" کے بیان میں ہے ———!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلا باب ۔ حدیث میں تحریف

اس میں مندرجہ ذیل باتوں کا ذکر ہے :

۱ ۔ وہ اقوال جو جاہ طلب خود بین اور شکم پرست لوگوں نے تراش کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیئے تھے آج وہ اقوال رسول کے قول میں اس طرح غلط ملط ہو چکے ہیں کہ حق کو باطل سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو رہا ہے ۔

۲ ۔ بعض علماء نے سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن معاملہ اس قدر الجھ چکا تھا کہ اسے سلجھانا انسان کی دسترس سے باہر تھا جس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں :

(ا) علم کم تھا ۔

(ب) لکھنے والے محدود تھے ۔

(ج) ذخائر علم محدود تھے ۔

(د) صحابہ کی تمام توجہ قیام سلطنت ، نشر و اشاعت اسلام اور تعمیر سلطنت پر صرف ہو رہی تھی ۔

۳ ۔ ان کے پاس خود رسول موجود تھا ، اور رسول کے بعد آپ کا دیا ہوا مکمل اور اتم ضابطہ حیات یعنی قرآن ۔

۴ ۔ صحابہ نے اقوال رسول کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر نہیں لکھا ۔

(ا) قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے ۔

صحیح بخاری میں ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب و کاغذ کو طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے ۔ قرآن میں ہے دین کامل کر دیا گیا ہے ۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، قرآن کے سوا میرا اور کوئی قول نہ لکھو ۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسا قول لکھ چکا ہو تو اسے مٹا دے ۔ (مسلم) ——— اس فرمان کی دو وجہیں تھیں ، اول کہیں غلطی سے احادیث قرآن کے متن میں شامل نہ ہو جائیں ۔ دوم آدمی کو اپنی کہی ہوئی بات یاد نہیں رہتی ، وہ دوسرے کی کیا یاد رکھے گا ۔ حضور کو انسان کی اس فطری کمزوری کا علم تھا ، اس لئے آپؐ نے لکھنے سے منع کر دیا ۔

حضرت فاروق کے زمانہ میں عراق کا قرآن حجازی قرآن سے مختلف تھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶ ۔ جو چیز لکھی نہ جائے وہ لازماً پہلے بگڑتی اور بالآخر مٹ جاتی ہے ۔ حضور کا مقصد یہی تھا ۔ جو عمر قرآن کا ایک لاکھ نسخہ لکھوا سکتا تھا ۔ وہ پانچ چھ ہزار حدیث کا مجموعہ بھی تیار کرا سکتا تھا ۔ کیا انہیں اقوالِ رسول سے معاندت تھی ۔

۷ ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ، ایک صبح اٹھے ، اسے جلا دیا (تذکرۃ الحفاظ ذہبی)

۸ ۔ حضرت فاروق رضؓ نے احادیث کے لکھنے کا ارادہ کیا ۔ مہینہ بھر استخارہ کیا ، پھر ارادہ ترک کر دیا اور کتاب اللہ سے لوگوں کے منحرف ہونے سے ڈر گئے (کتاب جامع بیان العلم)

۹ ۔ حضرت صدیق نے فرمایا ، "تم لوگ آج احادیث میں اختلاف رکھتے ہو ۔ آئندہ یہ اختلاف بڑھتا چلا جائے گا ۔ اس لئے تم آنحضرت سے کوئی حدیث بیان نہ کرو ۔ اگر کوئی پوچھے تو کہو ہمارے پاس قرآن موجود ہے ۔ جو اس نے جائز قرار دیا ہے ، اسے جائز سمجھو اور جو اس نے ناجائز قرار دیا ہے ، اسے ناجائز سمجھو!" (تذکرۃ الحفاظ ذہبی)

۱۰ ۔ حضرت عمر رضؓ نے ایک دفعہ فرمایا ، گھر جاؤ اور تمام ذخیرہ احادیث اٹھا لاؤ . . . آپ نے تمام صحابہ کے سامنے اسے جلا دیا ۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۰) . . . اس کی وجہ یہی تھی کہ اقوالِ رسول میں تحریف ہو چکی تھی ۔

۱۱ ۔ . . . مقامِ حیرت ہے ، پھر وہی احادیث جن کو ضائع کر دیا گیا ، اڑھائی سو سال بعد امام بخاری ، امام مسلم وغیرہ نے ان کو جمع کیا اور ہم سب نے مل کر نعرہ لگایا . . . "ھذا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ۔

۱۲ ۔ چند ایک احادیث جو جمع تھیں ، جلا دی گئیں ، جو زبانوں پر جاری تھیں ان میں ہر لمحہ ردّ و بدل ہو رہا تھا ، بات ایک دن میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے اور ان اقوال پر تو اڑھائی سو برس گذر چکے تھے ۔ صحابہ فوت ہو چکے تھے اور بعد میں بچے وہ لوگ جو کہ امام حسین کے قاتل ، حضرت علی کے باغی ، کعبے کے ڈھانے والے تھے ۔ حاکم شرابی راشی فقیر ، پست کردار لوگ . . . کیا ایسے (ان راویوں کا دور) میں کسی حدیث کا اصلی حالت پر رہنا ممکن تھا ؟ —— بعض صحابہ سے لغزشیں سرزد ہوتی رہتی تھیں ۔

۱۳ ۔ حضرت عائشہ کی جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک بڑی تعداد تھی اور ظاہر ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں راستی پر نہ تھے پھر رحلت رسول کے بعد بعض مرتد ہو گئے تھے اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان حالات میں ممکن ہے کسی صحابی نے عمداً کسی حدیث کے الفاظ بدل دیئے ہوں اور سہو و نسیان کا خطرہ تو ہر وقت تعاقب میں رہتا تھا۔ دو سو پچاس برس تک یہ حدیثیں کروڑوں زبانوں پر جاری رہیں، ہر نیک و بد کے پاس پہنچیں، الفاظ بدلے، مفہوم بدلا، اضافے ہوئے، لاکھوں نئی حدیثیں وضع کی گئیں امام بخاری نے چھ لاکھ سے صرف ۷۲۷۵ کا انتخاب کیا اور باقی کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ آپ نے انتخاب کا معیار راویوں کی صداقت کو قرار دیا —— امام بخاری کو کیسے پتہ چل گیا کہ اس کے تمام راوی سچے تھے؟

۱۴۔ ہمارے سوانح نگاروں میں ایک خاص نقص تھا۔ حسنِ ظن سے کام لیتے تھے اور مبالغہ و مدح سرائی پر اتر آتے تھے۔

ایک ہی دور کے چند راوی لے کر ذہبی کی زبانی ان کی کہانی سناتا ہوں:

۱۔ علی بن حسین کے متعلق لکھا ہے:

"کان یصلی فی الیوم الف رکعۃ" (تذکرہ ص ۴۶)

کھانے پینے کے آٹھ گھنٹوں کے علاوہ باقی سولہ گھنٹوں میں اتنی رکعات کا پڑھنا محال ہے!

۲۔ مطرف بن عبداللہ (وفات سنہ ۹۵ھ) کے متعلق لکھا ہے "کان راساً فی العلم" (تذکرہ صفحہ ۵۲)

۳۔ محمد بن سیرین (وفات سنہ ۱۱۰ھ) کے متعلق لکھا ہے "عزیز العلم ثقۃ راس فی الورع" (تذکرۃ ص ۶۷)

دونوں ہم عصر اور دونوں علم میں سردار!

۴۔ طاؤس بن کیسان کے متعلق لکھا ہے "کان راساً فی العلم والورع"

۵۔ ابو صالح (وفات سنہ ۱۰۱ھ) کے متعلق لکھا ہے: "من اجل الناس وھو ثقۃ..." (تذکرہ ص ۴۸)

۶۔ شعبی کے متعلق لکھا ہے: "ما رأیت اعلم وافقہ منہ" (شعبی تذکرۃ ص ۷۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ - عکرمہ (وفات ۱۰۷ھ) کے متعلق لکھا ہے : "اعلم بکتاب اللہ" (تذکرۃ ص ۹۵)

۸ - قاسم بن محمد (وفات ۱۰۶ھ) کے متعلق لکھا ہے : "ما رأیت فقیہا اعلم من القاسم" (تذکرۃ ص ۹۴)

۹ - عطاء بن ریاح (وفات ۱۱۴ھ) کے متعلق لکھا ہے : "ما رأیت افضل من عطاء ..." (تذکرۃ ص ۹۴)

——— ظاہر ہے کہ ایک ہی زمانہ کے سب لوگ بے نظیر اور بے مثال نہیں ہو سکتے"

آگے چل کر مصنف نے لکھا ہے :

۱ - "امام مالک کا بچھو کاٹنے کا واقعہ اور نو سو اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنا، ہر فقرہ اپنی تردید کر رہا ہے۔ نو سو اساتذہ سے پڑھا بھی، پھر سترہ برس میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ نو سو اساتذہ کہاں جمع تھے؟ اگر ایک استاد کے ہاں کم از کم ایک ماہ بھی بسر کیا تھا تو بھی ان کا زمانہ تعلیم پچھتر برس بنتا ہے۔"

۲ - "ایک دن حضرت علی نے تمام صحابہ کو جمع کر کے حکم دیا کہ یہاں سے واپس جانے کے بعد ہر شخص پہلا کام یہ کرے کہ اپنے ذخیرۂ احادیث کو جلا ڈالے" (مختصر جامع بیان العلم صفحہ ۳۳)

۳ - علامہ ذہبی کہتے ہیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو روایت احادیث پر پیٹا اور اسی جرم میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر اور حضرت ابی الدردا جیسے عظیم المرتبت اصحاب کو قید کر دیا تھا (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۷) ان صحابہ کو سزا اس لئے ملی ہو گی کہ وہ صحیح اور غلط میں امتیاز نہیں کر سکتے ہوں گے۔"

۴ - "آج عبداللہ بن مسعود کی طرف سینکڑوں احادیث منسوب ہیں۔ لیکن ابو عمرو شیبانی بیان کرتے ہیں، میں ان کی خدمت میں برس رہا مگر ان سے کوئی حدیث نہیں سنی" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۴)

۵ - ابو اسحاق مرہ سے، اور وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تمہیں حصول کی ضرورت ہو تو قرآن پڑھو اس لئے کہ اس میں اولین و آخرین کا علم موجود ہے" (تذکرہ، ج ۱، ص ۱۴۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶ - "ایک شخص نے ابی بن کعب سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا "اتخذ کتاب اللہ وارض بہ حکما" (تذکرۃ ج ۱، ص ۱۵)

۷ - "عبداللہ بن عباس سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں، مگر آپ کی عمر آنحضرت کی وفات کے وقت ۱۳ برس تھی" (تذکرۃ، ج ۱، ص ۳۴)

۸ - "ایک مرتبہ کاتب الوحی زید بن ثابت نے امیر معاویہ کو چند احادیث لکھائیں، منشی لکھتا گیا، آپ نے کاغذ لے کر چیر ڈالا اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے لکھنے سے منع فرمایا ہے" (بیان العلم صفحہ ۳۲)

۹ - ابوموسیٰ اشعری کے استدلال کے واقعہ کے بعد لکھتے ہیں، "خوش قسمتی سے انہیں شہادت مل گئی، ورنہ پٹ جاتے" (تذکرۃ، ج ۱، ص ۶)

۱۰ - "حضرت عبداللہ بن مسعود نے پانی منگوایا اور اس کتاب کو جسے اسود بن ہلال لے کر گیا اور جس میں احادیث درج تھیں، دھو ڈالا، پھر جلا ڈالا" (جامع صفحہ ۳۳)

۱۱ - "ضحاک بن مزاحم (وفات ۱۰۵ھ) فرمایا کرتے تھے، وہ زمانہ جلد آرہا ہے جب احادیث بکثرت ہو جائیں گی۔ لوگ کتاب الٰہی کو ترک کر دیں گے۔ مکڑیاں اس پر جالے تنیں گی اور وہ گرد و غبار کے نیچے یوں دب جائے گی کہ نظر تک نہیں آئیگی" (جامع ص ۳۳)

۱۲ - عبداللہ بن مسعود کے پاس اسود نے ایک مجموعہ احادیث پیش کیا۔ آپ نے خادمہ سے پانی منگوا کر اس کو دھو ڈالا، پھر فرمایا:

"ان هذه القلوب اوعیۃ فاشغلوها بالقرآن ولا تشغلوها بغیرہ" (جامع ص ۳۳)

۱۳ - منصور، مغیرہ اور اعمش کتابت حدیث کو گناہ سمجھتے تھے" (جامع صفحہ ۳۴)

۱۴ - حضرت عمر نے عراق کی طرف جانے والوں کو الوداع کہتے ہوئے فرمایا: "عراق والوں کو احادیث میں پھنسا کر قرآن سے دور نہ پھینکنا" (تذکرۃ الحفاظ ص ۶ و جامع، ص ۱۴۷)

۱۵ - "حضرت ابوہریرہ رحلت سے صرف تین برس قبل مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن احادیث میں سب سے بازی لے گئے۔ اور احادیث بھی ایسی کہ سارا قرآن ایک طرف اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوہریرۃ کی احادیث دوسری طرف - یہ ایک دفعہ پٹے بھی، مگر روایت سے باز نہ آئے"
(پھر وہ مسلم والی روایت جس میں لا الہ الا اللہ پر جنت کی بشارت کا ذکر ہے، بیان کی)
اس حدیث پر مصنف نے مندرجہ ذیل اعتراضات کئے ہیں:

۱ - نہ صوم نہ صلوٰۃ نہ زکوٰۃ نہ جہاد اکبر نہ اصغر (ب) پھر حضرت عمر کا حکم کہ ابوہریرۃ کہتے ہیں "لقد احدثتکم باحادیث لوحدثت بھا فی زمن عمر بن الخطاب لضربنی بالدرۃ" (تذکرہ ص)

۱۶ - ہمارے موجودہ علماء میں ایک دو بڑی خوبیاں ہیں، اول ان کا دامن وضع احادیث سے ملوث نہیں، دوم انہیں سرور کائنات سے گہری محبت ہے . . . اور ایک دو خرابیاں بھی ہیں - اوّلاً یہ کہ ملکہ تنقید سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے صحیح یا غلط میں تمیز نہیں کر پاتے، دوم یہ کہ وہ اسلاف پرستی اور اندھی تقلید میں مبتلا ہیں - شیخ عبدالحق لاکھ چلائیں، صحاح میں انسانی اقوال کی آمیزش ہے، علامہ ابن حجر ہزار کہیں کہ صحیح بخاری کی چالیس احادیث جھوٹی ہیں جیسے الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۲۶۸ و ۲۷۶"

نیز کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حدیث کے ماننے نہ ماننے میں متردد ہے کبھی تو کہتے ہیں، اسی طرح ہزارہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں جو نہ صرف تعلیمات قرآنی کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلعم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں - صحابہ کرام کی جرأت، شجاعت، ایثار، سرفروشی، خدمتِ خلق، حرارتِ ایمانی، عشقِ رسول، تقوی، اور نظم وضبط کی حیات انگیز داستانیں سناتی ہیں - اس عہد کے تمدن پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں - اور بتاتی ہیں کہ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے؟ اکاسرہ کیوں مٹ گئے؟ قیاصرہ کو کیوں شکست ہوئی؟ مٹھی بھر مسلمان سندھ کے ریگستان سے فرانس کی عشرت گاہوں تک کیسے پہنچ گئے؟ لٹیرے فرماں روا کیسے بن گئے؟ گڈریئے اورنگ جہانبانی پر کیسے جا بیٹھے؟ وحشی فلسفہ حکمت کا درس کیسے دینے لگے؟ شرابیوں اور جواریوں میں اس بلا کی پاکیزگی کہاں سے آگئی؟ ــــــــ بتوں کے پجاری ایک خدا، ایک قبلہ، ایک مرکز اور ایک نصب العین کے تخیل پر کیسے متحد ہوگئے؟ یہ تمام تفاصیل حدیث سے ملتی ہیں اور یہی وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیش بہا سرمایہ ہے جس پر ہم نازاں ہیں۔ اور جس سے اب تک سینکڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں" (بیسواں باب ص ۳۴۲)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"کیا سارے قرآن میں حدیث کا ضمناً بھی کہیں ذکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو آپ اسے ہمارے ایمان کا جزو کیسے بنا رہے ہیں؟ (صفحہ ۱۰۰)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"لیکن حدیث! تو بہ ہی بھلی، اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرّف، بریدہ، تراشیدہ اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحے پہ موجود نہیں" (ص ۱۰۱)

اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس میں کلام نہیں کہ حضور کے ان اوصاف جمیلہ کا چرچا احادیث کی بدولت ہوا اور ہم سب حدیث کے اس گراں بہا ذخیرہ پر ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے" (صفحہ ۱۹۹)

ان تحریروں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ڈرامائی انداز میں لکھ رہے ہیں۔ حقیقت سے نقاب اٹھانا ان کے پیش نظر نہیں۔ چنانچہ اپنے متعلق خود مصنف لکھتے ہیں:

"اور آج جب کہ میری عمر ۶۳ سے کچھ اوپر ہو چکی ہے، علم کے کئی منازل طے کر چکا ہوں متانت، حقیقت اور واقعیت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں۔ پھر بھی داستان سرائی، مبالغہ اور رنگ آمیزی سے پوری طرح نہیں بچ سکا" (ص ۱۲۱)

مصنف نے حدیث کا مطالعہ کرتے وقت دماغ سے کام نہیں لیا۔ جب کسی غلط فہمی کی بنا پر یہ سمجھا کہ یہ حدیث میرے مذاق کے مطابق ہے، فوراً اپنی طرف سے ترجمہ کر کے لکھ دی۔ چنانچہ متضاد احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آنحضرتؐ نے (عورتوں کے ایک مجمع کو خطاب کیا۔ دوران تقریر میں فرمایا "جو عورت تین بچے پیدا کرے گی، اللہ اسے نار جہنم سے بچالے گا"۔ ایک عورت کہنے لگی،" اور دو بچوں والی؟" فرمایا" دو والی بھی جنت میں جائے گی"۔ بخاری ج ۱ ص ۲۰ (ص ۳۰۵)

یہ ہے مبلغ علم۔ حدیث میں بچوں کی موت پر صبر کا ذکر ہے اور اسی پہ اجر کا بیان ہو رہا ہے اور آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ بچے جننے پر جنت مل رہی ہے۔ سبحان اللہ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا باتوں کا جواب دینے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے بارہ میں محدثین نے جو کوششیں فرمائی ہیں ان کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

اس ذیل میں ہم تین امور کو زیر بحث لائیں گے:

۱۔ حقیقتِ حدیث

۲۔ حجیت حدیث

۳۔ حفاظت وکتابتِ حدیث

حقیقت وحجیتِ حدیث

حدیث اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل، قول، آپؐ کی تقریر اور آپؐ سے متعلقہ امور کا نام ہے۔

آپؐ کے فعل کی دو قسمیں ہیں:

اول وہ امور جن کا تعلق آپؐ کی عادتِ مبارک سے ہے۔

دوم وہ کہ جن کا تعلق عبادت سے ہے۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہوتے ہیں، اس واسطے ان کے افعال سے کم ازکم یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلاں کام جائز ہے بشرطیکہ اس فعل کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ پیغمبر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تردید بھی وارد نہ ہوئی ہو۔

اور آپؐ کے قول کی بھی دو قسمیں ہیں:

ا۔ امر و نہی

ب۔ اخبار، واقعات، ترغیبات اور فضائل و مناقب وغیرہ۔

امر میں اصل ایجاب، اور نہی میں اصل تحریم ہے، جیسے قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے:

"فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم۔"

(سورۂ نور)

یعنی جو نبی کے حکم کے خلاف کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا عذاب الیم کی گرفت میں نہ آ جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا :

"وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ۔ الآیۃ"

(سورۃ احزاب)

یعنی "کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں رہتا جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیے"

اگر کوئی کہے، نبی سوا قرآن کے کیسے حکم کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ بحث نہیں کہ یہ حکم قرآن کے خلاف ہے یا موافق بلکہ اس بات کا ذکر ہے کہ جب کسی امر کے متعلق یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ یہ نبی کا فرمان ہے، اس وقت کیا کرنا چاہیئے، کیا اس وقت صرف یہ کہہ کر کہ "یہ قرآن نہیں، ہم اس کی پابندی کے مامور نہیں" سبکدوش ہو سکتے ہیں یا ہم اس وقت پابند رہنے کے مامور ہیں ؟

"دو اسلام" کے صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے :

"تو کیا اقوالِ رسول قابلِ ایمان نہیں؟ جواب کیوں نہیں! بشرطیکہ کہیں سے قولِ رسول مل جائے ۔ رونا تو اسی بات کا ہے کہ اقوالِ رسول کا دستیاب ہونا بیحد دشوار ہے ۔ اگر اقوالِ رسول مل جائے تو مجھے یقین ہے کہ ہر لفظ قرآنِ حکیم کی تشریح ہوتا اور قرآن پہ ایمان لاتے ہی وہ ہمارے دائرۂ ایمان میں شامل ہو جائے"

مصنف نے پھر اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اقوالِ رسول پر ایمان لانا ضروری ہے مگر اسکے دستیاب ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے ۔ بلکہ صفحہ ۱۲۹ میں لکھا ہے :

"دراصل اقوالِ رسول کی تعداد پانچ سات ہزار سے زیادہ نہ ہو گی"

حالانکہ صحیح بخاری میں اصل احادیث کی تعداد اس سے بہت کم ہے ۔ کل قریب اڑھائی ہزار کے ہے ۔ احکام کی روایات اس سے بھی کم ہیں ۔ بعض علماء نے ان کی تعداد صرف بارہ سو بتلائی ہے ———— اور چودہ لاکھ کا یہ مطلب نہیں (جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے) کہ احادیث کی اصل تعداد چودہ لاکھ ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہی احادیث مختلف طرق اور اسانید کی بنا پر چودہ لاکھ بن جاتی ہیں ۔

امام ابو داؤد نے سنن کا مجموعہ پانچ لاکھ سے تیار کیا ہے اور فرماتے ہیں :

"میں نے کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی" ———— یعنی قریب پانچ لاکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پانچ لاکھ سب اس مجموعہ میں درج ہو چکی ہیں حالانکہ سنن ابی داؤد میں صرف ۴۸۰۰ کے قریب احادیث ہیں - پس چودہ لاکھ کا یہ مطلب نہیں کہ احادیث کی گنتی بڑھ کر چودہ لاکھ تک پہنچ چکی تھی - یہ بالکل بے معنی بات ہے بلکہ مرور زمانہ کی بنا پر چونکہ ایک ایک حدیث کی تین تین سو سندیں پھیل چکی تھیں، لہٰذا مختلف اسانید کی بنا پر ان کی گنتی بڑھتی گئی - جیسے صحیح بخاری کی تعداد احادیث حافظ ابن حجر نے ۹۸۲۰ بتلائی ہے تکرار کو چھوڑ کر اصل گنتی ۲۶۲۳ رہ جاتی ہے - ایک حدیث کے جتنے طرق ہونگے، اسی قدر اس کو قوت ہوگی پس ایک حدیث اگر سو طرق سے مروی ہوگی تو وہ اس حدیث سے زیادہ قوی ہوگی جو صرف ایک طریق سے مروی ہے -

حفاظت و کتابت حدیث

اس وقت حدیث کا وجود صرف کتابوں میں ہے اور حدیث کی کتابیں پانچ قسم کی ہیں :

بعض وہ ہیں جن میں صرف صحیح احادیث پائی جاتی ہیں جیسے بخاری و مسلم -

ان دونوں کتابوں میں قریب قریب کل احادیث باتفاق امت صحیح ہیں - صرف دو سو کے قریب ایسی احادیث ہیں جن میں علماء محققین نے بحث کی ہے - اور حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں - صرف چند کلمات بعض احادیث کے ایسے ہیں جو شاذ ہیں - بعض محققین نے مؤطا کو بھی صحیحین کے ساتھ ملایا ہے اور تینوں کتابوں کو طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے -

دوسری قسم کی کتابیں وہ ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف، ہر طرح کی حدیثیں ہیں - مگر ان کے مؤلفین نے التزام کیا ہے کہ اگر حدیث ضعیف ہو تو اس کا ضعف بیان کر دیں گے - اس طبقہ میں تین کتابیں ہیں :

۱ - سنن ابو داؤد
۲ - سنن نسائی
۳ - جامع ترمذی

اس طبقہ کی احادیث پر بحث کی گنجائش ہے - مندرجہ بالا دو طبقوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں - صحاح ستہ کی ہر حدیث صحیح نہیں مگر ان سے صحیح کا معلوم کرنا بہت آسان ہے کیونکہ عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر محدثین نے التزام کیا ہے۔ اگر ضعف ہو تو بیان کر دیں گے اور جہاں ضعف بیان نہ کیا ہو تو وہ حدیث حسن یا صحیح ہوتی ہے۔ بہت کم ایسے مواقع ہیں جہاں بحث کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دو طبقوں پر محدثین کا عمل ہے۔

تیسری قسم کی کتابیں وہ ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر، شاذ ہر طرح کی احادیث ہیں مگر محدثین نے اس امر کا التزام نہیں کیا کہ جہاں ضعف ہو، ضرور بیان کر دیں۔ بعض جگہ بیان کرتے ہیں اور بعض جگہ بیان نہیں کرتے۔ مگر ایک محقق آدمی اسماء الرجال کی مدد سے ان کا حال معلوم کر سکتا ہے۔ اور اسی طبقہ میں بعض ایسی کتابیں بھی ہیں جن کے مصنفین نے صحت کا التزام کیا ہے مگر محدثین نے ان کے حکم کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کی احادیث کو محققین محدثین کے حوالے کیا جنہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر ایسی کتاب میں کوئی حدیث ہو اور کسی محقق نے اس پر کلام نہیں کی تو صاحب کتاب کا فیصلہ معتبر ہے۔ یہ تیسرا طبقہ ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

ابن ماجہ، دارمی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند ابو یعلیٰ، مسند احمد، مسند شافعی، مسند عبد بن حمید، مسند ابو داؤد طیالسی، طحاوی، کتب بیہقی، دار قطنی، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن سکن، صحیح ابو عوانہ، مختارہ، ضیاء مقدسی منتقیٰ، تصانیف طبرانی وغیرہ۔

چوتھی قسم کی کتابیں وہ ہیں جن کے تفردات سب ضعیف ہوتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: کتاب الضعفاء لابن حبان، کتاب الضعفاء العقیلی، ابو حبان کی کتابیں، مسند فردوس، تفسیر ابن جریر وغیرہ۔

پانچویں قسم کی کتابیں وہ ہیں جن میں محدثین نے موضوع حدیثیں جمع کی ہیں۔ جیسے تذکرۃ الموضوعات، موضوعات کبیر ملا علی قاری، اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی، ابن جوزی کی کتاب جس پر سیوطی کے تعقبات ہیں، اللؤلؤ المصنوع فی الحدیث الموضوع، امام شوکانی کا رسالہ۔

ماحصل یہ ہے کہ جو حدیث باتفاق محدثین صحیح ہو جیسے بخاری و مسلم کی وہ روایات کہ جن پر محدثین نے جرح نہیں کی اور باقی صحاح ستہ اور دیگر کتب کی وہ روایتیں جن پر کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدّثین نے صحت کا فتویٰ لگایا ہو اور اس کے خلاف کوئی قابلِ قبول فتویٰ نہ ہو، وہ حدیث حجت ہے۔ اسی طرح جو حسن ہو وہ بھی قابلِ عمل ہے اور صحیح حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی صحت پر امت کا اتفاق ہے جیسے بخاری و مسلم کی وہ روایات جن پر کسی نے تنقید نہیں کی اور ان کے معانی میں تعارض بھی نہیں۔ ان احادیث کی صحت قطعی ہے۔ بغیر بحث کے ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کا مضمون بھی قطعی الثبوت ہے یعنی سننے والوں کو ان احادیث کے مضمون کا یقین ہو جاتا ہے بشرطیکہ ان کے اوصاف سے بھی واقف ہو۔ یا امت کے اتفاق کا اس کو علم ہو۔

یہ روایتیں بھی دو قسم کی ہیں۔ بعض متواتر ہیں اور بعض غیر متواتر۔ متواتر پھر دو قسم ہیں۔

۱۔ متواتر بالعمل ۲۔ متواتر بالروایت۔

اور جو حدیثیں صحیح ہیں مگر ان کی صحت پر امت کا اجماع نہ ہو، تو ایسی حدیثوں کے متعلق علماء کا یہی خیال ہے کہ ان سے علم کا وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو عمل کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

جن قواعد پر محدّثین نے احادیث کو جانچا ہے، وہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔ محدّثین نے صحت کے لئے پانچ شرطیں لگائی ہیں۔

۱۔ سب راوی مصنف سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ثقہ اور عادل ہوں۔ عادل کا مطلب یہ ہے کہ امانت دار، پرہیزگار اور سچا ہو۔

۲۔ ان کا حافظہ اچھا ہو۔

۳۔ سند میں جس قدر راوی ہیں، ایک دوسرے سے ان کی ملاقات اور سماع (یعنی حدیث سننا) ثابت ہو۔

۴۔ راوی نے اس حدیث میں غلطی نہ کی ہو ——— اکثر کی یا اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت نہ کی ہو۔

۵۔ اس حدیث کے متعلق عدمِ سماع کی مخفی دلیل نہ ہو یعنی علّت نہ ہو۔

ان تمام شرائط کا یہ مطلب ہے کہ کوئی راوی فاسق یا مجہول نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیۂ ذیل سے یہ شرائط ماخوذ ہیں:

"یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ۔۔ الآیۃ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو اس خبر کی چھان بین کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جہالت سے کوئی غلط کام کر بیٹھو۔"

یعنی اگر مخبر عادل ہو تو اس کی خبر پر عمل کرو کیونکہ اس کی خبر سے جہالت جاتی رہتی ہے۔ اور فاسق کی خبر سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی واسطے شہادت میں ایک مرد کے ساتھ قرآن مجید میں دو عورتوں کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ غلطی سے بچا جائے۔

چنانچہ مندرجہ بالا شرائط اسی لئے لگائی گئی ہیں کہ راوی کے متعلق پتہ چل جائے کہ فاسق ہے یا عادل، حافظہ اچھا ہے یا نہیں، یا حافظہ ہونے کے باوجود کبھی بھول تو نہیں جاتا نیز واسطہ کا بھی علم ہو جائے کہ کیسا ہے؟

انسانی جدّ و جہد میں اتنی ہی گنجائش ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

"یاایہا الذین اٰمنوا اذا جاءکم المؤمنات مہاجرات فامتحنوھن ط اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار۔ ۔ ۔ الآیۃ"

کہ "جب ایماندار عورتیں تمہارے پاس وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرو۔ اللہ کو ان کے ایمان کا تم سے زیادہ علم ہے۔ اگر تم کو ان کے ایمان کا علم ہو تو ان کو کفار کے حوالے مت کرو۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اپنی سی جدّ و جہد کرے اور انتہائی کوشش کے بعد جس نتیجے پر پہنچے، وہی اس کا علم ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ کہ شریعت کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ جب ہم اپنی جدّ و جہد اور انتہائی کوشش کے باوجود شریعت کی ایک بات کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہیں، اگر اس میں کسی قسم کی غلطی ہو تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر کوئی دلیل قائم کرے جس سے ہمیں غلطی پر اطلاع ہو جائے۔

اب یہ امر زیر بحث لانا باقی رہ جاتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ان پانچ شرائط پر مشتمل ہو اور امت میں سے کسی محدّث یا مجتہد کو اس میں کسی غلطی کا علم بھی نہیں ہوا تو کیا حدیث کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے یا اور شرائط کی بھی ضرورت ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض علماء کا یہ خیال ہے ، ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ حدیث علاوہ شرائط مذکورہ کے عقل ، قرآن اور حدیث متواتر کے خلاف نہ ہو ۔ مگر محدثین نے فرمایا ہے ، جو حدیث شرائط مذکورہ پر پوری اترتی ہے ، وہ عقل ، قرآن اور حدیث متواتر کے خلاف نہیں پائی گئی ۔ اس کی تشریح اس طرح ہے :

دلائل دو قسم ہیں ، عقلی اور نقلی ۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں ، یقینی اور غیر یقینی ۔ متواتر اور اجماعی الصحت حدیث یقینی ہے اور باقی غیر یقینی ۔ اسی طرح عقلی باتیں بعض یقینی ہوتی ہیں جیسے بدیہیات وغیرہ اور بعض غیر یقینی جیسے نظریات ——— محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دلیل نقلی یقینی اور عقلی یقینی میں تعارض نہیں ہوتا اور نہ یقینی دلائل عقلیہ کا آپس میں نہ یقینی دلائل نقلیہ کا آپس میں ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دلیل یقینی ہو اور دوسری ظنی ، اگر اس طرح کی کوئی صورت ہو تو اس وقت یقینی کو ظنی پر ترجیح ہوگی ۔ مثلاً حدیث متواتر یا اجماعی الصحت نہ ہو ، بدیہیات کے خلاف ہو ، وہ مردود ہوگی ۔ اسی طرح اگر کوئی نظریہ ، حدیث متواتر ، قرآن یا حدیث اجماعی الصحت کے خلاف ہو تو وہ نظریہ مردود ہوگا ۔ مگر یہ بات بھی فرضی ہے ۔ اب تک کوئی حدیث صحیح کسی عقلی یقینی دلیل کے خلاف نہیں پائی گئی ۔ اگر کسی کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ فلاں حدیث صحیح بدیہیات کے خلاف ہے ، وہ اس کی تاویل کر سکتا ہے یا اس کو رد بھی کر سکتا ہے ۔

حدیث قرآن کا بیان ہے

بعض احادیث وہ ہیں جو قرآن مجید کی عملی صورتیں ہیں ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" اقیموا الصلوٰۃ "

یعنی نماز قائم کرو ۔

مختلف مقامات پر اس کے اجزا (قیام ، رکوع ، سجود ، تسبیح ، تحمید ، تکبیر ، قرأت قرآن) کا اور اس کی شرائط میں سے وضو ، جنابت سے غسل وغیرہ کا ذکر ہے ۔ استقبال قبلہ ایک جگہ بدون نماز مذکور ہے اور ایک جگہ جماعت کی طرف بھی اشارہ ہے ——— واركعوا مع الراكعين ——— اور صلوٰۃ خوف میں باجماعت پڑھنے کا بیان ہے اور ندا کا ذکر ہے ۔ جمعہ کے دن ذکر اللہ اور نماز کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے اور مختلف آیات میں اوقاتِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نماز کی طرف بھی اشارات ہیں۔ مگر حدیث میں ایک خاص طریقہ پر اذان، نماز، اقامت، امامت اور خطبہ جمعہ کا بیان ہے۔ جو قرآن کے مخالف نہیں بلکہ قرآن کے بیان کردہ منتشر اجزا کا مجموعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت کی۔ آپؐ کے بعد صحابہ اسی پر عامل رہے یہاں تک کہ وہ نماز اسی صورت میں ہم تک پہنچی۔ ہر قرن میں نمازیوں کی تعداد قرآن کے بیان ناقلوں (حافظوں اور کاتبوں) سے زیادہ رہی۔ پس نماز جس طریق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، اس کا ثبوت قرآن کے ثبوت سے بڑھ کر ہے۔

قرآن مجید میں ذکر ہے:

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ (البقرۃ)

کہ اللہ کا ذکر اسی طرح کرو جیسے تم کو ہدایت کی گئی۔

اسی طرح قرآن مجید نے ندا کا ذکر بطور حکایت کے کیا ہے، اس پر استہزا کرنے والوں کو ڈانٹا ہے۔ ندا کی ہیئت کذائی چونکہ تواتر سے ثابت ہے اور قرآن سے بھی بڑھ کر اسکا تواتر ہے۔ اس واسطے اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس لازماً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز یا ندا منشا قرآن کے خلاف نہیں پڑھی ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہوگی۔ اگر قرآن کے منتشر اجزا اور حدیث میں ان کے اجتماع کو بیک نظر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کے اس الہام کا بیان ہے جو نماز کے متعلق قرآن نے اختیار کیا ہے۔

مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شریعت ہم تک دو طریقوں سے پہنچی ہے۔

ایک تعامل، یعنی ہر زمانہ میں لوگ ایک کام پر عمل کرتے آئے۔

دوم روایت جو کتب حدیث میں موجود ہے۔

ہر ایک میں ایک نقص ہے جس کا جبر دوسرے طریقہ سے ہو جاتا ہے۔ تعامل میں یہ نقص ہے کہ کبھی بعد کا پیدا شدہ عمل بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے رفع کرنے کے لئے ہمیں روایت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اور اسی طرح روایات میں ابہام ہوتا ہے جو عمل سے رفع ہو جاتا ہے۔ لفظ میں ایک سے زیادہ احتمال ہوتے ہیں۔ مگر تعامل سے ایک شق متعین ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی حال قرآن مجید کے اور مقامات کا ہے۔

مثلاً حج کے متعلق قرآن مجید نے حلال ہونے اور محرم ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مگر احرام باندھنے کے متعلق سوائے سر منڈانے، مجامعت کرنے اور شکار کرنے کی ممانعت کے اور چیزوں کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا، اس کی گنتی اور وقت کے بارے میں نہیں بتایا۔ یہی حال صفا و مروہ کے طواف کا ہے۔ اس کے لئے کوئی گنتی نہیں بتائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دفعہ طواف کیا اور احرام میں خوشبو لگانے اور سلے ہوئے کپڑے پہننے کی ممانعت، نیز مرد کو سر ننگا رکھنے کا حکم دیا۔ اجمار کے بعد حلال ہونے کو کہا، اگر قربانی لازم نہ ہو، ورنہ قربانی کرنے کے بعد اور عمرہ میں بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ میں سعی پر اکتفا فرمایا۔ احرام باندھنے کے لئے مواقیت کو متعین کیا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہا کہ "الحج اشھر معلومات" مگر ان کی تعیین نہیں کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حج کیا، آپؐ کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا، پھر ہر سال آپؐ کے خلفاء حج کرتے رہے، تعامل اور روایت سے حج کا طریقہ نماز کی طرح ہم تک پہنچا۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

© rasailojaraid.com